فارسی ادب میں اخلاقی قدریں

ڈاکٹر محمد امین عامرؔ

اسلام سے قبل قدیم ایران کی اپنی زبان، اپنا خط اور اپنا ادب موجود تھا۔ نظم و نثر کی شکل میں اس کی ادبی کاوشوں کے نمونے محفوظ ہیں۔ فلسفہ کا بھی قدیم ایران میں وجود تھا اور حکومت کی سرپرستی میں اس کے درس و تدریس کے لیے تعلیمی مراکز قائم تھے۔ ساسانیوں[۱] کے عہد میں فلسفہ و سماجی علوم پر مبنی یونانی اور سنسکرت زبانوں کی کتابوں کا پہلوی زبان میں ترجمہ کیا گیا، نیز اخلاقیات پر مشتمل گراں قدر اور سودمند کتابیں منظرِ عام پر آئیں۔[۲] شعراء و ادباء نے اپنی تخلیقات میں مختصراً اخلاقی مضامین کو جگہ دی، لیکن سامانیوں[۳] کے عہد سے، جو فارسی زبان و ادب کا اولین عہد پیش رفت شمار کیا جاتا ہے، اخلاقیات پر مشتمل ادب کو نشو و نما پانے کا خاطر خواہ موقع ملا۔ علامہ شبلی نعمانی، جو فارسی زبان و ادب اور شعر و سخن کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے، فارسی ادب میں اخلاقیات کے عمل دخل اور عہد بہ عہد اس کے ارتقاء سے متعلق رقم طراز ہیں:

''اخلاق کے جستہ جستہ عنوان پند و موعظت کے طریقہ پر ابتدا ہی سے شعراء کے کلام میں آجاتے تھے، لیکن مستقل لٹریچر کی بنیاد بدایعؔی بلخی نے ڈالی۔ بدایعؔی کا نام محمد بن محمود بلخی ہے۔ وہ سلطان محمود کے زمانہ میں تھا۔ نوشیرواں نے مسائل اخلاق کے متعلق اپنے خیالات قلم بند کرائے تھے، جو پند نامہ کے نام سے موسوم ہیں اور فارسی علم و ادب کی بہترین یادگار خیال کیے جاتے ہیں۔ بدایعؔی نے اس کو نظم کا جامہ پہنایا۔ یہ کتاب آج نایاب ہے، لیکن مجمع الفصحاء کے مصنف نے بہم پہنچائی اور چند اشعار انتخاباً اپنی کتاب میں درج کرائے۔ اس کے بعد اخلاقی شاعری روز بروز ترقی کرتی گئی جس کے مختلف اسباب تھے:

۱- تصوف کو اخلاق سے نہایت قریب کا تعلق ہے، اس لیے صوفیانہ شاعری کا بڑا حصہ اخلاقی شاعری کے حصہ میں آیا۔

۲- اکابر شعراء مثلاً سنائیؔ، نظامیؔ، سعدیؔ محض شاعر نہ تھے، بلکہ صوفی اور عارف بھی تھے، اس لیے ان کی شاعری کا اخلاق سے خالی ہونا ممکن نہ تھا۔

ان اسباب نے اخلاقی شاعری کا جو بے پایاں ذخیرہ پیدا کر دیا اس کا اندازہ اس سے کرنا چاہیے کہ نظامیؔ نے 'مخزن اسرار' تصوف اور اخلاق میں لکھی تھی، اس کے تتبع میں بے شمار مثنویاں لکھی گئیں جن میں زیادہ تر اخلاقی مسائل ہی ہیں''۔[۴]

یہ عوامل اور اسباب تھے جن کی وجہ سے شعراء کے کلام اور علماء و ادباء کی تصنیفات میں اخلاقی مضامین اور مسائل کثرت سے داخل ہوگئے۔ پیش نظر مضمون میں ایران کے معروف فارسی شعراء کے کلام اور ادباء و علماء کی تخلیقات میں سے بعض اہم اخلاقی مضامین کا ذکر کیا جا رہا ہے جو کسی بھی فرد اور قوم کی زندگی کو پائیدار اور مستحکم بنانے اور اسے مثبت و تعمیری رخ عطا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

علم:

انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی اولین ضرورت علم ہے، جہاں سے اخلاقی اقدار کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ بغیر علم کے ایک متمدّن، ترقی یافتہ اور با مقصد زندگی کا تصور ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر خالق کائنات نے انسان کی تخلیق کے بعد سب سے پہلے اسے زیورِ علم سے آراستہ کیا اور سلسلۂ بشریت کے اولین فرد حضرت آدم علیہ السلام کو کائنات کا خصوصی علم عطا فرما کر انھیں مخلوقات عالم پر برتری بخشی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ علم وہ اولین ہتھیار ہے جس کے بغیر شرف وفضل اور جاہ ومنصب کا حصول ناممکن ہے۔ فرد کی شخصیت اور اجتماعیت کی تعمیر علم کی بنیادوں ہی پر استوار ہوتی ہے اور اسی کی اساس پر زندگی کی اعلیٰ اخلاقی اقدار پروان چڑھتی ہیں۔ چنانچہ اقوام عالم کی تاریخ بتاتی ہے کہ علم ہی کی اساس پر تہذیب و تمدن نے

ترقی کی۔ یہ اسی کی کرشمہ سازیاں ہیں جو ہماری آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہیں۔ ہر دور میں اس کی ضرورت واہمیت محسوس کی گئی، اسے موضوع بحث بنایا گیا اور اس کے حصول کی طرف عوام و خواص کی توجہ مبذول کرائی گئی۔ ایران کے نام ور اور مقبول شاعر و ادیب شیخ سعدی شیرازیؒ (۶۰۶-۶۹۴ھ) اس کی ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بنی آدم از علم باید کمال — نہ از حشمت و جاه و مال و منال
چو شمع از پیٔ علم باید گداخت — کہ بی علم نتواں خدارا شناخت
طلب کردن علم شد بر تو فرض — دگر واجب است از پیش قطع ارض
برو دامن علم گیرد استوار — کہ علمت رساند بدارالقرار
میا موز جز علم گر عاقلی — کہ بے علم بودن بود جاہلی ۵

ابن آدم علم کے ذریعہ کمال حاصل کرتا ہے۔ شان وشوکت، منصب و مرتبہ اور مال و دولت سے نہیں۔ شمع کی طرح علم کی خاطر پگھل جانا چاہیے۔ کیوں کہ بے پڑھا لکھا خدا کو نہیں پہچان سکتا۔ علم حاصل کرنا تجھ پر فرض ہے۔ اس کے بعد (حصول علم کی خاطر) مسافرت واجب ہے۔ جا اور علم کا دامن مضبوطی سے تھام لے۔ کیوں کہ علم ہی تجھے جائے سکون مہیا کرتا ہے۔ اگر تو عقل مند ہے تو علم کے سوا اور کچھ مت سیکھ۔ کیونکہ بے علم رہنا جہالت کے مترادف ہے۔

بزرگ ترین صوفی شاعر نور الدین عبدالرحمٰن جامیؒ (۸۱۷-۸۹۸ھ) علم کی فضیلت اور اہمیت یوں واضح کرتے ہیں:

تاج سر جملہ ہنر ہاست علم — قفل کشای ہمہ در ہاست علم
در طلب علم کمر چست کن — دست ز اشتغال دگر سست کن
ہرچہ ضروریست چو حاصل کنی — بہ کہ عمارت گری بر دل کنی ۶

تمام ہنر مندی کا تاج علم ہے۔ علم تمام (بند) دروازوں کو کھولنے کا ذریعہ ہے۔ علم کی طلب میں کمر باندھ لے۔ دوسرے تمام کاموں سے

ہاتھ کھینچ لے۔ جس قدر ضرورت ہے اسی قدر حاصل کر۔ بہتر یہی ہے کہ دل پر (علم) کی عمارت تعمیر کر۔

عدل و تدبیر:

مشرقی اور مغربی ممالک میں سلطنت کی بنیاد شاہ پرستی پر رہی ہے۔ نتیجتاً مطلق العنان حکم رانوں کا زیردستوں اور کم زوروں پر ہر طرح کا ظلم و جبر جاری رہا ہے۔ ایران کے شعراء و ادباء نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، کبھی خیر خواہانہ جذبات کے تحت اور کبھی طنز و تنقید کے ذریعہ انہیں انسانیت کی فلاح و بہبود کی خاطر دستوری و اخلاقی بنیاد پر حکم رانی اور طرز سلطنت کے قیام کی تلقین کی۔ نظامی گنجوی (۵۳۵-۵۹۹ھ) کا شمار عہد سلجوقی کے نام ور ایرانی داستان سراہوں میں ہوتا ہے۔ نظام سلطنت میں عدل و تدبیر کی اہمیت سے متعلق پند و وعظ پر مبنی ان کے اشعار ملاحظہ ہوں:

ای ملک جانوران رای تو — وی گہر تاجوران پای تو
گر ملکی خانۂ شاہی طلب — ور گہری گنج الٰہی طلب
ملک بدین کاروگیای تراست — سینہ کشی سینہ کشای تراست
کارِ تو پروردنِ دیں کردہ اند — دادگران کار چنین کردہ اند
شہرو سپہ را چو شوی نیک خواہ — نیک تو خواہد ہمہ شہر و سپاہ
راحت مردم طلب آزار چیست — جز تجلی حاصلِ این کار چیست
رسم ستم نیست جہاں داشتن — ملک بانصاف توان داشتن
ہرچہ نہ عدلست چہ دادت دہد — و آنچہ نہ انصاف بباد ت دہد
مملکت از عدل شود پائیدار — کار تو از عدل تو گیرد قرار ؎

اے اپنی فراست سے جانداروں پر حکمرانی کرنے والے۔ اے بادشاہوں کے سروں کے تاج کے موتی۔ اگر تو بادشاہ ہے تو عدل وانصاف مہیا کر۔ اور اگر تو موتی ہے تو حقیقت الٰہی کے تاج میں اپنی جگہ

بنا۔ اے بادشاہ تیرا یہی کام اور فریضہ ہے۔ فرح و انبساط کے ساتھ دوسروں کے لیے کشادہ دلی تیرے لیے فخر کی بات ہے۔ دین کی پرورش و پرداخت تیرا کام ہے۔ جتنے انصاف پسند بادشاہ تھے سبھوں نے ایسا ہی کیا ہے۔ تو اپنی فوج اور اہلِ شہر کے لیے جب اچھائی چاہے گا تو تمام شہری اور تیرے لشکر بھی تیری اچھائی چاہیں گے۔ لوگوں کو راحت پہنچا۔ ایذا رسانی کیا چیز ہے۔ اس سے (یعنی ایذا رسانی سے) سوائے شرمندگی کے کیا حاصل ہوگا۔ دنیا پر حکم رانی کے لیے ظلم و ستم کی کوئی رسم نہیں ہے۔ تو ملک پر انصاف کے ذریعہ حکومت کرسکتا ہے۔ تجھے داد کیا ملے گی جب تیرے پاس عدل و انصاف نہیں ہے۔ اور جب انصاف نہ ہوگا تو تیرا بھلا کیا ہوگا۔ ملک عدل و انصاف سے مضبوط ہوتا ہے۔ انصاف کی بدولت ہی تیرے کام کو سکون ملے گا۔

بزرگ فارسی شعراء میں سے ایک نام خواجہ حکیم افضل الدین مرقی کاشانی (۵۹۲-۶۵۴ھ) کا بھی ملتا ہے۔ ان کا شمار اپنے عہد کی معروف شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے اشعار میں عدل وانصاف سے بے نیاز حکم رانوں کی لعنت و ملامت کی ہے اور ایسے حکم رانوں کو ابلیس اور چوپایہ کے مشابہ قرار دیا ہے، جن کی کوئی دنیوی واخروی عزت و وقعت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس انصاف آشنا اور عدل پرور بادشاہوں کی انھوں نے بڑی ہمت افزائی کی ہے اور انھیں خدا کی رحمتوں کا مستحق قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں:

سلطان کہ نہ عادلست شیطان باشد　　گرگ، رمہ و شغال بستان باشد
گر عدل کند سایۂ یزدان باشد　　پشت خرد و پناہ ایمان باشد [۸]

بادشاہ جو انصاف کرنا نہیں جانتا شیطان ہے۔ وہ کسی چراگاہ کا بھیڑیا، بھیڑ اور گیدڑ ہے۔ اگر وہ انصاف کرتا ہے تو خدا کا سایہ اس پر ہوتا ہے۔ (اور) عقل اس کی حفاظت کرتی ہے اور (وہ) ایمان کی پناہ میں ہوتا ہے۔

عدل وانصاف سے متعلق چند سادہ اشعار سعدیؔ کے بھی ملاحظہ ہو جس میں انھوں نے حکم رانوں کو انصاف سے کام لینے، رعایا کی ضروریات پوری کرنے اور انھیں امن وامان کا ماحول اور خوش گوار فضا بہم پہنچانے کی تاکید کی ہے۔فرماتے ہیں:

چو ایزد ترا این ہمہ کام داد چرا بر نیاری سر انجام داد
جہان را بانصاف آباد دار دلِ اہلِ انصاف را شاد دار
رعایت دریغ از رعیت مدار مرادِ دلِ داد خواہاں بر آر ۹

جب خدا نے تجھے یہ تمام کام سپرد کیا۔ (پھر اسے) تو کیوں نہیں بجالاتا۔ دنیا کو انصاف سے آباد رکھ۔ اہلِ انصاف کا دل خوش رکھ۔ رعایا سے کسی طرح کی رعایت مت برت۔ انصاف چاہنے والوں کے دل کی مراد پوری کر۔

حق گوئی و بے باکی:

اخلاقی اقدار کے محاسن کا ایک پہلو حق گوئی اور بے باکی بھی ہے۔تاریخ کے ہر دور میں ایسے شعراء وادباء رہے ہیں جو فطرت انسانی کے نکتہ سنج اور نکتہ شناس بھی تھے۔بعض افراد کے معایب اور قبائح ظاہر ہوتے ہیں جن سے سماج کا ہر فرد واقف ہوتا ہے، لیکن جو عیوب کہ دقیق اور مخفی ہیں، عام انسانی نگاہیں انھیں دیکھنے سے قاصر ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ شعراء وادبا جو سماج کی دکھتی رگوں کے نبّاض ہوتے ہیں اور فلسفۂ اخلاق کے معلّم کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دینا چاہتے ہیں ان کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ وہ فطرت کے نکتہ شناس بنیں اور عیوب ونقائص کا حکمت وتدبر اور ظریف وپند آمیز طریقوں سے قلع قمع کریں، تاکہ شخص مہدوف کو ناگوار بھی نہ گذرے اور لطفِ سماعت باقی رہے۔ فارسی ادب ایسے اخلاقی اقدار کے نمونوں سے معمور ہے۔ ایران کے نام ور اور مقبول ترین شاعر حافظ شیرازی (۷۲۶-۷۹۱ھ) نے درج ذیل اشعار میں اپنے عہد کے علماء اور واعظین کو مخاطب کر کے ان کے پوشیدہ عیوب کی نشان دہی کی ہے:

واعظان کین جلوہ درمحراب ومنبرمی کنند　　چون بخولت میروند آ نکار دیگرمی کنند
مشکلی دارم ز دانش مند مجلسی باز پرس　　توبہ فرمایان چرا خود توبہ کمترمی کنند
گوئیا با ور نمی دارند روز داوری　　کین ہمہ قلب ودغل درکار داوری کنند۱۰

واعظ حضرات منبرومحراب پر جلوہ آرائی کرتے ہیں، مگر جب تنہائی میں ہوتے ہیں (تو اپنے وعظ کے برخلاف) دوسرے کام انجام دیتے ہیں۔ مجلس کے ان دانش مندوں سے میرے لیے باز پرس کرنا مشکل ہے۔ توبہ کی نصیحت کرنے والے خود کیوں توبہ کم کرتے ہیں۔ گویا قیامت کے دن کا انھیں یقین نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ تمام دغابازی اورفریب کاری حاکم اور منصف کے بھیس میں کرتے ہیں۔

احسان عام وسخاوت:

فارسی ادب میں احسان وسخاوت کو بھی عام پسندیدہ اخلاق میں شمار کیا گیا ہے اورشعروسخن کے ذریعے اسے انفرادی واجتماعی زندگی میں برتنے نیز عوام وخواص پراس کی اہمیت واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایران کے عظیم ترین نام ورقصیدہ گو اوحدالدین محمد انوری (م ۵۷۸ھ) نے انسان کے ہنروفن سے بحث کی ہے اور طبعی سخاوت واحسان کو اس کا ایک رکن قرار دیا ہے۔ کہتا ہے:

چہار چیز شد آئین مردم ہنری　　کہ مردم ہنری زین چہار نیست بری
یکے سخاوت طبعی چو دست گاہ بود　　بہ نیک نامی آنرا بہ بخشش و بخوری
دو دیگر آ نکہ دلِ دوستان نیازاری　　کہ دوست آئینہ باشد چو اندر ونگری
سہ دیگر آ نکہ زبامزا بگاہ گفتن زشت　　نگاہداری تا وقت عذر غم نخوری
چہارم آ نکہ کسی کو بجای تو بد کرد　　چو عذر خواہد نام گناہ از و نبری ۱۱

چار چیزیں انسان کے دستور ہنر میں داخل ہیں۔ کیوں کہ ایک ہنر مند انسان ان چار چیزوں سے بری نہیں ہوسکتا۔ ایک طبعی سخاوت جب

اسے حاصل ہوتی ہے۔ نیک نامی کے ساتھ وہ کھاتا ہے اور کھلاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ دوستوں کی دل آزاری نہیں کرتا۔ کیوں کہ اس کے دوست اس کے لیے آئینہ بن جاتے ہیں جب وہ ان میں جھانکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ بری بات زبان سے نکالتے وقت اس کی حفاظت کرتا ہے، تاکہ کسی عذر کے وقت رنجیدہ نہ ہونا پڑے۔ چوتھی یہ کہ کوئی اس سے معافی کا طلب گار ہو اور وہ اسے اس کی بدسلوکی پر درگذر نہ کرے۔

معروف صوفی شاعر اور بزرگ خواجہ فریدالدین عطارؒ (م ۶۲۷ھ) نے بھی سخاوت و احسان کی اہمیت واضح کرتے ہوئے اس کی خوبیوں کو اجاگر کیا ہے۔ اپنے 'پند نامہ' میں 'در بیان آنکہ آبرو بیفزاید' کے عنوان سے فرماتے ہیں:

از سخاوت آبرو افزون شود وز بخیلی بی خرد ملعون شود
هر کرا بر خلق بخشایش بود آبروی او در افزایش بود [۱۲]

سخاوت کرنے سے عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور بے عقل آدمی بخیلی سے شیطان ہوجاتا ہے۔ جو کوئی مخلوق پر (کچھ) بخشش کرتا ہے اس کی عزت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

قناعت وتونگری:

سخاوت کے مثل قناعت اور تونگری بھی انسان کے اعلیٰ اخلاقی کردار سے بحث کرتی ہے۔ قدیم ایرانی شعراء و ادباء نے اسے بھی موضوع بحث بنایا اور اپنی شاعری کے ذریعہ اسے عام کرنے کی کوشش کی ہے۔

ابن یمینؒ فریومدی خراسانی (م ۷۶۹ھ) کی شعر گوئی کی بنیاد اخلاقیات پر تھی۔ قناعت اور خودداری جیسے موضوعات سے انھوں نے اپنے کلام کو زینت بخشی۔ انھیں اس فن میں خاص طرز سخن اور کمال حاصل تھا۔ یہی سبب ہے کہ آج تک اس میدان میں کوئی ان سے سبقت حاصل نہ کرسکا۔ قناعت اور تونگری سے متعلق ابن یمینؒ یوں سخن طراز ہیں:

دو قرص نان اگر از گندم است یا از جو | دو تای جامه اگر کہنہ است یا خود نو
بچار گوشۂ دیوار خود بہ خاطر جمع | کہ کس نگوید ازین جا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزون تر بہ نزد ابن یمینؔ | زفرِّ مملکتِ کیقبادؔ و کیخسرؔو ۱۳؎

گیہوں یا جو سے (بنی ہوئی) روٹی کے دو ٹکڑے ہوں (یا) دو جوڑا کپڑا پرانا یا نیا ہو۔ اپنے گھر میں اس سے قلبی سکون (کے لیے کافی ہے)۔ کیوں کہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ اپنے گھر سے اُٹھ اور ادھر جا۔ ابن یمینؔ کے نزدیک یہ کیقباد اور کیخسر و (ایران کے دو عظیم بادشاہ) کی حکومتوں کی شان وشوکت سے ہزار بار بہتر ہے۔

دوسری جگہ وہ یوں سخن سرا ہیں:

ز قطع راہ در از امل غنی نشوی | بر آستان قناعت مگر مقام کنی ۱۴؎

خواہشات جس قدر دراز ہوں اس سے (انسان) سیر نہیں ہوسکتا۔ (بالآخر اسے) قناعت کے آستانے پر ٹھہرنا ہی پڑتا ہے۔

ہندوستان کے نام ور صوفی اور فارسی شاعر حضرت امیر خسرو دہلوی (۶۵۱-۷۲۵ھ) نے بھی قناعت کو موضوعِ بحث بنایا ہے، ان کے درج ذیل چند اشعار قابل استفادہ ہیں:

ای دم ز آئین قناعت زدہ | مہر بہ رہای صناعت زدہ
صبر چو گنجی است بکنج خراب | رو کہ توی منعم کامل نصاب
قرص جو و کوزۂ آبی بکنج | بہ کہ برون شربت سیب و ترنج
آنکہ دہن باز دود پیش و پس | میر نگردد مگر از خاک و بس
مرد کہ ہر سوی بگامی دود | پیش نشینندہ غلامی بود
نانی اگر ہست میسّر ز جو | از پیٔ لوزینۂ دونان مدو
گوہر و لعلی کہ نیاید بکار | چون نگری قیمت او بیشمار ۱۵؎

اے مخاطب قناعت کے دستور کی بات کر۔ اور ہنر کے دروازوں کو بند کردے۔ صبر ایک خزانہ ہے ویران گوشے میں۔ جا کہ تو ہی مکمل

صاحب دولت ہے۔ جا کسی گوشے میں پانی کا کوزہ اور روٹی تلاش کر۔ اس سے بہتر ہے کہ سیب اور نارنگی کا شربت تیرے لیے مہیا ہو۔ جو منھ کھولے ہوئے آگے پیچھے دوڑ لگاتا ہے وہ کبھی سیر نہیں ہوتا ہے سوائے اس کے کہ اسے خاک ملے۔ جو شخص کہ ہر طرف دوڑتا پھرتا ہے وہ بیٹھے رہنے والے (یعنی قناعت پسند) کا غلام ہوتا ہے۔ اگر جو کی روٹی ہی (تجھے) میسر ہے تو پھر دو روٹی کے بدلے بادام کے کیک کے لیے دوڑ دھوپ مت کر۔ لعل و گہر کچھ کام نہیں دے گا چاہے اس کی بے شمار قیمت تجھے نظر آئے۔

بدگوئی:

یہ ایک ایسی قبیح معاشرتی خصلت ہے جس سے نہ صرف یہ کہ کسی کی عزتِ نفس متاثر ہوتی ہے بلکہ اس کا اثر پھیل کر معاشرے کے افراد کو ایک دوسرے کے خلاف شکوک وشبہات اور بدگمانی پر محمول اور آمادۂ پیکار بنا دیتا ہے، جس سے سماجی ماحول بہت ہی پراگندہ اور زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے پیش نظر شعراء وادباء نے بھی اپنی نثری اور منظوم تخلیقات سے فارسی ادب کو مالا مال کیا ہے۔ مشہور ایرانی شاعر اور شہرۂ آفاق فلسفی وحکیم عمر خیّام (م ۵۳۰ھ) نے بدگوئی سے متعلق بڑے پتے کی بات کہی ہے:

بد خواہ کسان ہیچ بہ مقصد نرسد　　　یک بد نکند تا بخودش صد نرسد
من نیک تو خواہم و تو خواہی بدِ من　　　تو نیک بینی و بمن بد نرسد [16]

لوگوں کا برا چاہنے والا کبھی اپنے مقصد کو نہیں پہنچتا۔ ایک برائی کیا کرتا ہے کہ سینکڑوں برائیاں اس سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ میں تیری اچھائی چاہتا ہوں اور تو میری برائی چاہتا ہے۔ اگر تو میرے اندر بھلائی دیکھے گا تو مجھے تیری طرف سے کوئی برائی نہیں پہنچے گی۔

کاشانی نے بھی بدگوئی اور عیب جوئی کو اخلاقی برائی قرار دے کر اسے معاشرتی

فتنہ سے تشبیہ دی ہے، نیز مخلوق خدا کو اس سے اجتناب کرنے اور بہ روز حشر اس کے عبرت ناک انجام سے خوف دلایا ہے۔ ان کی تعلیم یہ ہے:

امروز بعیب خود کسی بینا نیست　　افسوس کہ خلق را غمِ فردا نیست
و امروز غبار فتنہ می انگیزند　　فرداست کہ گرد ہیچ کسی پیدا نیست ۱۷؎

آج کوئی اپنی برائی کی طرف دیکھنے والا نہیں ہے۔ افسوس کہ مخلوق کو کل (یعنی قیامت کے دن) کی کوئی فکر نہیں ہے۔ آج جو لوگ فتنہ اور فساد کی دھول اُڑا رہے ہیں۔ کل (قیامت کے دن) کوئی (کسی کے خلاف) گرد نہیں اُڑا سکے گا۔

خاموشی:

حد سے زیادہ بولنا عیب ہے۔ انسان جب اپنی زبان پر قابو نہیں رکھتا اور بے موقع اور بے محل بولے چلا جاتا ہے تو ناشائستہ اور غیر مناسب کلمات کی ادائیگی کے سبب وہ ایک فتنہ کھڑا کر دیتا ہے۔ جہاں گفتگو کا موقع ہے وہاں احسن طریقے سے لب کشائی کرنی چاہیے اور تکمیل مدعا کے بعد خاموشی اختیار کر لینی چاہیے۔ شیخ سعدیؔ نے نہایت حکیمانہ طرز بیان اختیار کر کے اس موضوع کو جو امتیازی شان عطا کیا ہے وہ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہے:

ترا خاموشی ای خداوند ہوش　　وقار است و نا اہل را پردہ پوش
اگر عالمی ہیبتِ خود مبر　　وگر عامی پردۂ خود مدر ۱۸؎

اے ہوش والے تیرے لیے خاموشی ہی عزت و وقار ہے اور نا اہل کے لیے پردہ پوشی ہے۔ اگر تو پڑھا لکھا ہے تو اس سے اپنی (شان) اور دبدبہ پیدا کر۔ اور اگر تو جاہل ہے تو پھر اپنا پردہ مت پھاڑ (یعنی خاموشی اختیار کر اور بک بک کر کے اپنی عزت مت گنوا)

خواجہ فرید الدین عطارؔ نے اس ضمن میں بڑی عمدہ نصیحت کی ہے۔ فرماتے ہیں:

ای برادر گر تو هستی حق طلب | جز بفرمانِ خد مکشای لب
عاقلان را پیشه خاموشی بود | پیشۂ جاہل فراموشی بود
خامشی از کذب وغیبت واجب است | ابلہ است آنکو بگفتن راغب است
ای برادر جز ثنای حق مگو | قول خود را از برای دق مگو
دل ز پُر گفتن بمیرد در بدن | گرچہ گفتارت بود دُرِّ عدن ۱۹

اے بھائی اگر تو سچائی کا طلب گار ہے (تو) فرمانِ خدا کے سوا زبان مت کھول۔ عقل مندوں کا پیشہ خاموشی ہے۔ اور جاہلوں کا پیشہ (خاموشی کو) بھول جانا ہے۔ جھوٹی بات اور بدگوئی کے مقابلے میں خاموشی واجب ہے۔ وہ شخص بے وقوف ہے جو ہمیشہ بولتا رہتا ہے۔ اے بھائی سوائے خدا کے (کسی اور کی) تعریف مت کر۔ اپنی بات کو دوسروں کے لیے رنج کا باعث نہ بنا۔ زیادہ بولنے سے جسم میں دل مردہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ تیری بات عدن کے موتی جیسی ہی کیوں نہ ہو۔

سعی وعمل وتکمیل ہنر:

فرد واجتماعیت کی زندگی میں صنعت وحرفت اور سعی وعمل کی بڑی اہمیت ہے۔ بغیر اس کے متمدن اور مہذب زندگی کا تصور کیا جا سکتا ہے نہ کسی ترقی کا امکان ہے۔ بے ہنری اور بے کاری انسان کو بہت سی اخلاقی برائیوں میں مبتلا کر دیتی ہے اور وہ معاصی اور جرائم کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا ہر دور میں معلمین اخلاق نے اپنی تخلیقات کے ذریعہ نئی نسل کے جوانوں کو سعی وعمل پر ابھارا اور انھیں صنعت وحرفت سے مزین کرنے کی کوشش کی ہے۔ سعدیؔ نے اپنی ملت کے جوانوں کو اس سے متعلق یہ نصیحت فرمائی ہے:

بیاموز پرورده را دسترنج | دگر دست داری چو قاروں بگنج
چہ دامی کہ گردیدگان روزگار | بغربت بگرداندش در دیار
بپایان رسد پاشدش دسترس | کجا دست حاجت برد پیش کس ۲۰

اپنے لاڈلے کو ہاتھ کا ہنر سکھا، پھر تیرے ہاتھ میں قارون کا خزانہ ہوگا۔ زمانے میں بھٹکتے رہنے سے کیا قدر ہوگی۔ مفلسی میں در بدر پھرنے سے (کیا عزت ملے گی)۔ جو کچھ تیرے پاس ہے جب وہ ختم ہو چکے گا پھر کسی کے سامنے کہاں کہاں ہاتھ پھیلائے گا۔

سماج میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے پاس کوئی ذریعۂ معاش یا ہنر ہوتا ہے، لیکن عملی زندگی کے فقدان سے غفلت و کاہلی ان پر مسلط ہوتی ہے۔ حافظ شیرازی نے ایسے افتادہ طبیعت اور عیش پسندوں کو للکارا ہے اور ان کا رخ سعی و عمل اور با مقصد زندگی کی طرف موڑنے کی کوشش کی ہے۔ پیرایۂ حکمت سے لبریز ان کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

ای دل بکوئی عشق گذاری نمی کنی　　اسباب جمع داری و کاری نمی کنی
چوگانِ کام در کف و گوئی نمی زنی　　بازی چنین بدست و شکاری نمی کنی ۲۱

اے دل تو عشق کی گلی میں کیوں نہیں چکّر لگاتا ہے۔ تیرے پاس بہت سارے سامان ہیں اور تو کام نہیں کرتا۔ مقصد کا بلاّ تیرے ہاتھ میں ہے اور گیند نہیں مارتا ہے۔ ایسا باز ہاتھ میں ہے اور کوئی شکار نہیں کرتا ہے۔

ابن یمین نے جہد و عمل کی جو اہمیت بتائی ہے اور نو جوانوں کو جن نکات سے آشنا کرایا ہے وہ بھی قابل توجہ ہیں:

چو روزگار بکام تو گشت و دولت بار　　بکوش تادل آزردۂ بدست آری
مباش یک نفس از کار خویشتن غافل　　مگر کہ فرصت امکان ز دست نگزاری
گر آنکسی کہ ز تو جست یاریٔ امروز　　روا بود کہ تو فردا طلب کنی یاری ۲۲

جب زمانہ تیرے مطلب کا ہو گیا اور تجھے دولت مل گئی، پھر (زمانے) کے ستائے ہوئے دلوں کو جیتنے کی کوشش کر۔ اپنے کام سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل مت ہو۔ یہاں تک کہ کسی ممکنہ فرصت کو بھی ضائع ہونے نہ دے۔ اگر آج تجھ سے کوئی شخص کسی طرح کی مدد چاہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ تو بھی کل کسی سے مدد طلب کرے۔

نیکوکاری:

انسان کی دنیوی واخروی فلاح کا انحصار نیکوکاری اور عمل خیر پر ہے۔انسان جب کسی معصیت میں مبتلا ہوتا ہے تو احساس ندامت سے اس کا سر بارگاہِ الٰہی میں خم ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کی تلافی عملِ خیر سے کرنا چاہتا ہے۔ اس نیکوکاری کے باعث رحمتِ خداوندی اسے اپنے سائے میں جگہ دیتی ہے۔ ہندوستان کے معروف قصیدہ گو شاعر عرفیؔ شیرازی (م۹۹۹ھ) نے ان خیالات کو ذیل کے شعر میں نظم کیا ہے:

بضاعتی بکف آور کہ تر سمت فردا　　بہ خوی فشانی پیشانی حیا بخشند ۲۳؎

سرمایہ جمع کر، کیوں کہ مجھے ڈر ہے کہ کل تجھے جسم کا پسینہ بہانے کے بجائے شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے۔

ابوالقاسم فردوسیؔ طوسی (۳۲۳-۴۱۶ھ) نے بھی اپنے شاہنامہ میں 'نیکی و بدی' کے عنوان سے نیکوکاری کی ترغیب اور بدکرداری سے اجتناب کی تعلیم دی ہے۔ کہتا ہے:

مکن بد کہ بینی بفر جام بد　　زبد گردد اندر جہاں نام بد
نگیرد ترا دست جز نیکوی　　گر از مرد دانا سخن بشنوی
ہر آنکس کہ اندیشہ می بد کند　　بفر جام بد باتن خود کند
اگر نیک باشی بماندت نام　　نکوی کنی گر، بود شاد کام
وگر بد کنی جز بدی نہ روی　　شی در جہان شاد مان نغنوی ۲۴؎

(کسی) کی برائی مت کر کہ اس کا نتیجہ بھی تو برا دیکھے گا۔ برا کرنے سے دنیا میں نام بھی برا ہوگا۔ سوائے نیکی کے کوئی تیرا مدد گار نہ ہوگا۔ اگر تو عقلمند آدمی سے (نصیحت) کی بات سنے۔ ہر وہ شخص جو برا سوچتا ہے وہ خود اپنی ذات کے ساتھ برا نتیجہ کرتا ہے۔ اگر تو نیک بن کر رہے تیرا نام (دنیا میں) رہے گا۔ اگر تو (ہمیشہ) نیکی کرتا رہے تو خوش رہے گا اور اگر تو برا کرتا رہے اور سوائے برائی کے کوئی اور راستہ (تجھے نظر نہ

آئے) پھر دنیا میں تجھے کوئی ایسی رات میسر نہ آئے گی جس میں تو آرام سے سو سکے۔

مذمّت شراب:

جن معایب وقبائح سے اخلاقی اقدار میں پستی واقع ہوتی ہے ان میں سے ایک شراب نوشی بھی ہے۔ شراب کو اُمّ الخبائث کہا گیا ہے۔ آدمی نشہ اور بدمستی کی حالت میں یاوہ گوئی اور گالم گلوج پر اتر آتا ہے۔ یہ چیز نزاع اور جھگڑے وفساد کا سبب بنتی ہے۔ لہٰذا انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ شراب نوشی کرے اور اپنے آپ کو نیز اپنے اہل وعیال کو ہلاکت میں ڈالے۔ شراب کی مذمت اور اس کے اجتناب سے متعلق حکیم سنائی (پانچویں صدی ہجری) کی یہ تعلیم ملاحظہ ہو:

نکند عاقل مستی نخورد دانا مے   ننہد مرد ہوشیار سوی مستی پے
گر کنی بخشش گویند کہ میکرد نہ او   ور کنی عربدہ گویند کہ او کرد نہ مے ۲۵

عقل مند آدمی مستی نہیں کرتا اور ہوش مند آدمی شراب نہیں پیتا۔ ہوشیار آدمی مستی کی جانب پاؤں نہیں بڑھاتا۔ اگر تم معاف کر دو تو لوگ کہیں گے کہ شراب نے (معاف کیا اس نے نہیں کیا۔ اور اگر تم (کسی سے) لڑائی کرو تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے (لڑائی کی) شراب نے نہیں۔

خواجہ حافظ نے کس لطیف پیرائے اور بلیغ انداز سے شراب نوشی کی مذمت کی ہے، ملاحظہ ہو:

در مے خانہ ببتند خدایا پسند   کہ در خانۂ تزویر و ریا بکشایند ۲۶

انھوں نے مے خانہ کا دروازہ تو بند کر دیا ہے۔ اے خدا یہ مت پسند فرما کہ وہ ریا اور مکاری کے گھر کا دروازہ کھلا رکھیں۔

وفا شعاری:

قوموں کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں وفا شعاری ایک غیر معمولی صفت ہے۔

اگر اسے نہ نبھایا جائے تو اعتماد و یقین کی فضا کثیف ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ انسان کے اعلیٰ اخلاقی اقدار کو اس سے متصف ہونا لازمی ہے۔ اس کی اہمیت کو خسرؔو نے یوں واضح کیا ہے:

نیک دل آن شد کہ ہوای دروست — وز طرفی بوئ و فسائ دروست
ہر کہ حق صحبت یاران شناخت — عمر ہم اندر رہِ ایشان بباخت
ترک جفا کن کہ چون شیرین بود — نامِ تو دیباچۂ تحسین بود
جان کہ از و بہ بجہان یار نیست — ہیچ نیرزد چو وفا دار نیست
یار توان یافت بگیتی بسی — لیک وفا دار ندیدم کسی
صحبت او کن کہ بصدق و صفا ست — دامن او گیر کہ ز اہلِ وفا ست [۲۷]

لیکن دل وہی ہے کہ اس میں خواہش ہے۔ اور وفا کی بو اس میں سمائی ہوئی ہے۔ جس نے دوستوں کی دوستی کا حق پہچان لیا ان لوگوں کی صحبت میں رہ کر اپنی عمر گنوادی۔ تو اگر شیریں صفت ہے تو جفا کا رویہ ترک کر۔ تیرا نام تعریف و توصیف کے دیباچہ میں ہوگا۔ یہ جان لے کہ دنیا میں اس سے بہتر کوئی دوست نہیں ہے۔ جو وفادار نہیں ہے اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ دنیا میں دوست تجھے بہت مل جائیں گے۔ لیکن کسی کو وفادار میں نے نہیں پایا۔ دوستی اس سے کر جو صاف ستھرا اور سچا ہے۔ دامن اسی کا پکڑ جو وفادار ہے۔

سعدی نے انقلابی انداز میں وفا شعاری کی یوں تعلیم دی ہے:

دلاور وفا باش ثابت قدم — کہ بی سِکّہ رائج نباشد درم
زراہِ وفا گر نہ پیچی عناں — شوی دوست اندر دلِ دشمناں
منہِ پائی بیرون زکوئی وفا — کہ از دوستاں می نیرزد جفا
جدای ز احباب کردن خطاست — بریدن زیان را خلاف وفاست [۲۸]

اے دل ثابت قدمی کے ساتھ وفاداری پر قائم رہ، کیوں کہ بغیر سِکّہ کے

درہم نہیں چلے گا۔ وفا کے راستے سے اگر تو لگام نہ کھینچے گا تو دشمنوں کے دلوں میں تو گھر بنالے گا۔ وفا کی گلی سے پاؤں باہر مت رکھ۔ کیوں کہ دوستوں کی جانب سے بے وفائی زیب نہیں دیتی۔ دوستوں سے جدائی غلط بات ہے۔ یہ وفا کے خلاف ہے کہ (دوستوں سے جدا ہوکر) نقصان اُٹھایا جائے۔

کذب وراستی:

آج معاشرے میں راستی کا فقدان اور دروغ گوئی کی جانب میلان عام ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی بھی گوشہ ہو اس کے رگ وریشہ میں دروغ گوئی سرایت کرچکی ہے۔ بظاہر خیال کیا جاتا ہے کہ سچ بولنے سے دکان داری ماری جاتی ہے اور جھوٹ سے کاروبار میں ترقی ہوتی اور اپنا مفاد محفوظ رہتا ہے۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سے انسان کی اپنی شخصیت مجروح ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ معرض خطر میں رہتا ہے۔ سعدیؔ نے بڑے اچھے انداز میں دروغ گوئی کی مذمت کی ہے:

دروغ آدمی را کند شرمسار　　دروغ آدمی را کند بے وقار
دروغ ای برادر مگو زینہار　　کہ کاذب بود خوار و بی اعتبار
زنا راستی نیست کاری بتر　　کز وگم شود نامِ نیک ای پسر ۲۹

جھوٹ انسان کو شرمندہ کردیتا ہے۔ جھوٹ سے آدمی بے وقار ہوجاتا ہے۔ اے بھائی کبھی جھوٹ مت بول۔ کیوں کہ جھوٹا ذلیل ہوجاتا ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں رہتا۔ جھوٹ سے بدتر کوئی کام نہیں ہے۔ کیوں کہ اے لڑکے اس سے نیک نام گم ہوجاتا ہے۔

اس کے برعکس سچائی انسان کے وقار وعزت کو دوبالا کردیتی ہے اور اس سے معاشرے میں اس کی بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے۔ اسی کو نظامیؔ گنجوی نے یوں بیان کیا ہے:

راستی آور کہ شوی رستگار　　راستی از تو ظفر از کردگار

گرسخن راست شود جملہ دُر تلخ بود تلخ کہ الحقّ مرّ
چون سخن راستی آری بجای ناصر گفتار تو باشد خدای ۳۰؎

سچائی اختیار کر کہ تجھے نجات ملے۔ خدا کی طرف سے سچائی تیرے لیے کامیابی ہے۔
اگر تیری تمام سچ باتوں میں موتی جڑے ہوں تو وہ کڑوی ہوں گی، کیوں کہ سچ بات
کڑوی ہوتی ہے۔ اگر تو سچی بات بجالائے تو خدا تیری بات کا حامی و مددگار ہوگا۔

تواضع و تکبّر:

اخلاقی اقدار کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انسان متواضع اور منکسر المزاج ہو۔ اسے ہمہ وقت یہ احساس رہے کہ اسے جو خوبیاں بھی حاصل ہیں وہ کسی کی طرف سے ودیعت کی گئی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ان کو پا کر پھولا نہ سمائے اور اپنے حقیقی منعم و محسن اور مبدأ فیاض ہی کو فراموش کر بیٹھے اور غرور و تکبر کا مظاہرہ کرنے لگے۔ فارسی ادب تواضع کی تعلیم سے جس قدر معمور ہے اس سے اس کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ شیخ سعدیؔ فرماتے ہیں:

دلا گر تواضع کنی اختیار شود خلق دنیا ترا دوست دار
تواضع بود مایۂ دوستی کہ عالی بود پایۂ دوستی
تواضع کند مرد را سرفراز تواضع بود سروران را طراز
تواضع عزیزت کند در جہان گرامی شود پیش دلہا چو جان
تواضع کند ہوش مندان گذین نہد شاخِ پُر میوہ سر بر زمین ۳۱؎

اے دل تو تواضع اختیار کر تو دنیا والے تیرے دوست بن جائیں گے۔ تواضع دوستی کی پونجی ہے، کیوں کہ اس سے دوستی کا پایہ بلند ہوتا ہے۔ تواضع سے انسان کو سربلندی نصیب ہوتی ہے۔ تواضع سرداروں کا طریقہ رہا ہے۔ تواضع تجھے دنیا میں پیارا بناتا ہے۔ جان کی طرح دلوں

میں اس کی عزت ہوتی ہے۔ ہوش مند آدمی تواضع اختیار کرتا ہے۔ کیوں کہ پھلوں سے لدی ہوئی شاخ اپنا سر زمین پر رکھ دیتی ہے۔

تکبّر تواضع کی ضد ہے، اپنے کو بہتر گردانا باوجودیکہ ساری برائیوں کا خمیر خود میں موجود ہو اور دوسروں کو ذلیل اور حقیر سمجھنا تکبّر ہے۔ سعدیؔ نے ایسے رذیل صفت انسانوں کو سختی سے ہدف ملامت بنایا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ کریں:

تکبّر مکن زینہار اے پسر — کی روزی ز دستش در آئی بسر
تکبّر ز دانا بود ناپسند — غریب آید این معنی از ہوش مند
تکبّر بود عادتِ جاہلان — تکبّر نیاید ز صاحب دلان
تکبّر عزازیل را خوار کرد — بزندان لعنت گرفتار کرد
کسی را کہ خصلت تکبّر بود — سرش پر غرور از تصور بود
تکبر بود مایۂ مُدبَری — تکبّر بود اصل بد گوہری
چو دانی تکبّر چرا می کنی — خطا می کنی و خطا می کنی ۳۲

اے لڑکے کبھی تکبر مت کر، کیوں کہ ایک دن وہ تجھے پچھاڑ دے گا۔ عقل مند آدمی کو تکبر ناپسند ہے۔ ایک ہوش مند آدمی کے لیے یہ عجیب وغریب بات ہے۔ تکبر جاہلوں کی عادت ہے۔ جو اہل دل ہیں وہ تکبر سے بے نیاز ہیں۔ تکبر نے ہی شیطان کو رسوا کیا جس کی وجہ سے وہ لعنت کے قید خانہ میں گرفتار ہوا۔ جس کسی کی خصلت میں تکبر ہے۔ اس کا سر گھمنڈ سے بھرا ہوا ہے۔ تکبر بدبختی کی پونجی ہے۔ تکبر اصل میں بری خصلت والی شے ہے۔ جب تجھے معلوم ہے تو پھر تکبر کیوں کرتا ہے۔ تو خطا کر رہا ہے خطا کر رہا ہے۔

اخلاقیات پر مشتمل فارسی کا نثری سرمایہ:

آخر میں فارسی زبان و ادب کے ان چند مؤلفین اور ادباء کے گراں قدر نثری

شہ پاروں کے فقط تذکرے پر اکتفا کیا جا رہا ہے، جو اخلاقی اقدار پر مشتمل مضامین سے آراستہ ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان بیش بہا تصنیفات سے فارسی عبارتیں نقل کر کے ان کے مطالب کو واضح کیا جاتا، مگر یہاں اس کا موقع نہیں ہے۔

سیاست نامہ: سیاست نامہ یا سیر الملوک فارسی کے معروف ادبی شہ پاروں میں سے ہے۔ اس کا مؤلف خواجہ ابوعلی حسن بن علی نظام الملک طوسی (۴۰۸-۴۸۵ھ) ہے۔ یہ کتاب آدابِ معاشرت اور اخلاقی پند و نصائح پر مشتمل ہے اور اس کے مخاطب بادشاہ، وزراء، امراء، قُضاۃ اور خطباء ہیں۔[۳۳]

قابوس نامہ: اس کتاب کا مصنف امیر کیکاؤس بن اسکندر بن قابوس وشمگیر زیاری تھا۔ یہ کتاب اس نے اپنی زندگی کے آخری دور میں (تقریباً ۴۷۵ھ میں) اپنے بیٹے گیلان شاہ کے لیے پند و نصیحت کی غرض سے لکھی تھی۔ یہ ۴۴ فصلوں پر مشتمل ہے اور اس میں آدابِ معاشرت، رسوم دوستی و الفت، ترتیب زندگانی، کسب فضائل اور تہذیب خصائل جیسی اخلاقی اقدار زیر بحث آئی ہیں۔[۳۴]

کیمیائے سعادت: اخلاقی ادب کے ذخائر میں فارسی زبان میں یہ گراں قدر سرمایہ ہے جو حجت الاسلام امام غزالیؒ (۴۵۰-۵۰۵ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ دراصل ان کی مشہور عربی کتاب 'احیاء علوم الدین' کے بہترین مطالب کا خلاصہ ہے۔ اسے پانچویں صدی ہجری کی آخری دہائی میں تصنیف کیا گیا تھا۔ یہ ایک نہایت مفید اخلاقی کاوش ہے جس میں اسلام کی اخلاقی تعلیم کے اصول کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔[۳۵]

اخلاقِ جلالی: اس کتاب کا اصل نام ''لوامع الاشراق فی مکارم اخلاق' ہے اور اس کا موضوع تہذیبِ اخلاق، تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدن ہے۔ اس کا مصنف حکیم و عارف جلال الدین دوامی تھا جو ۸۳۰ھ سے ۹۰۸ھ کے درمیانی عرصہ میں بقید حیات تھا اور صوبۂ فارس میں کازروں کے قریب قریہ روان کا باشندہ تھا۔ اس نے یہ کتاب نویں صدی کے نصف آخر میں تصنیف کی تھی۔[۳۶]

اخلاقِ محسنی: اخلاقیات پر مشتمل فارسی ادب کے ذخائر میں یہ بھی ایک

معروف شاہ کار ہے۔ اس کے مصنف ملا حسین واعظ کاشفی (م ۹۱۰ ھ) ہیں جو سلطان حسین بایقراء کے عہد کے نامور فضلاء میں سے تھے۔ سلطان حسین سے منسوب یہ کتاب تقریباً ۹۰۰ ھ میں لکھی گئی۔ ۳۷

اخلاق ناصری: یہ کتاب ابن مسکویہ کی تصنیف 'طہارۃ الاعراق فی تہذیب الاخلاق' کا ترجمہ اور خلاصہ ہے، جسے مشہور حکیم نصیر الدین طوسی (۵۹۷-۶۷۲ ھ) نے انجام دیا تھا۔ اسے قہستان میں اسماعیلی حکم راں ناصر الدین عبدالرحیم بن ابی منصور (م ۶۵۵ ھ) کی فرمائش پر ترجمہ کیا گیا تھا۔ طوسی نے اس میں اپنی طرف سے بھی بعض مطالب کا اضافہ کیا ہے۔ اس کا زمانہ تصنیف ۶۳۳ ھ ہے۔ ۳۸

ذخائر الملوک: آداب سیاست و اخلاق پر مشتمل یہ بھی ایک بیش بہا نثری شاہ کار ہے۔ اس کے مؤلف مشہور صوفی اور جہاں دیدہ روحانی بزرگ سید علی بن شہاب الدین ہمدانی (م ۷۸۶ ھ) ہیں۔ یہ کتاب اعتقاد و عبادت، حقوق و فرائضِ بندگانِ خدا، آئینِ حکومت نیز اغراض و مقاصد و اصولِ مملکت، اطاعت و حق شناسی، صبر و شکیبائی، تواضع و انکساری اور غرور و تکبر جیسے اہم اخلاقی مضامین پر محیط ہے۔ ۳۹

مکارم الاخلاق: اخلاق و آداب کے ضمن میں یہ ایک اہم کتاب ہے۔ اس کے مصنف خواجہ غیاث الدین میر ہروی (۸۸۰-۹۴۲ ھ) ہیں، جو ایران سے ہجرت کر کے ۹۳۴ ھ کو ہندوستان آئے اور آگرہ میں بابر اور اس کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے ہمایوں کے دربار سے وابستہ رہے۔ ۴۰

گلستانِ سعدی: اخلاقیات پر مبنی یہ ایک مقبول ترین شاہکار ہے جو فارسی نثر میں شیخ سعدی شیرازیؒ کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں درج ذیل مضامین مذکور ہیں:

(۱) سیرتِ بادشاہان (۲) اخلاق درویشان (۳) قناعت (۴) خاموشی (۵) عشق و جوانی (۶) ضعف پیری (۷) تاثیرِ تربیت (۸) آدابِ صحبت و حکمت۔ ۴۱

موارد الکلم: اخلاق کے موضوع پر یہ ایک بے نقطہ رسالہ ہے۔ اس کا مصنف

دربارِ اکبری کا معروف عالم فاضل اور دانش مند ابوالفضل علامی (م ۱۰۱۱ھ) ہے۔[۴۲]

گنج الگنج: بادشاہوں کے اخلاق پر مشتمل اس کتاب کا مصنف ابوالقاسم نصر بن احمد شادانی نیشاپوری ہے جو سلطان مسعود غزنوی کے عہد (۴۹۲-۵۰۸ھ) میں تھا۔

اخلاق الاشراف: گناہ اور معصیت سے اجتناب کے ضمن میں یہ کتاب نظام الدین عبیداللہ ذکانی (م ۷۷۲ھ) کی تصنیف ہے۔ اس کی تکمیل ۷۵۱ھ میں ہوئی۔

حصن الملوک: سلطان حسین مرزا کے نام (۸۷۳-۹۱۱ھ) اخلاق و سیاست پر مبنی یہ تصنیف ہے۔

اخلاق سیر پادشاہان: تالیف ۱۰۵۵ھ

کتاب اخلاقی: یہ ابوالنصر ابوالمظفر سلطان فتح اللہ سے منسوب ہے، جس نے ۸۹۹ سے ۹۱۰ھ تک حکومت کی۔[۴۳]

بہارستانِ جامی: گلستان سعدی کے طرز پر نورالدین عبدالرحمٰن جامی (م ۸۹۸ھ) نے نثر و نظم پر مشتمل یہ کتاب تصنیف کی۔ یہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔[۴۴]

ان کے علاوہ بھی اخلاق و آداب پر مشتمل سینکڑوں چھوٹی بڑی تصنیفات ہیں جن سے فارسی ادب کے خزانے روشن و منور ہیں۔

حواشی و مراجع

۱۔ ساسان، ایران میں ایک خاندان کا نام ہے جس کا بانی اردشیر بابکان تھا۔ اس خاندان نے ۲۲۴ تا ۲۴۱ء ایران پر حکومت کی۔ (دیکھیے ای۔جی۔ براؤن: لٹریچر آف دی ہسٹری آف پرشیا، طبع کیمبرج، ۱۹۵۶ء، جلد ۱، ص ۲۰)

۲۔ رضازادہ شفق: تاریخ ادبیات ایران، طبع تہران، ۱۳۲۱ شمسی ہجری، ص ۲۶

۳۔ سامان: ایران کا ایک خاندان جس کے بانی 'سامان' کے نام پر اس کا نام رکھا گیا۔ دوسری صدی ہجری میں وہ حلقہ بگوش اسلام ہوا اور اپنے بیٹے اسد بن عبداللہ کو خراسان کے حکمراں کی حیثیت سے نامزد کیا۔ اس خاندان نے ۲۶۱ تا ۳۸۹ء ایران پر حکومت کی۔ (ملاحظہ ہو ڈاکٹر عبداللہ رازی: تاریخ کامل ایران: طبع تہران، ص ۱۷۴)

۴۔ علامہ شبلی نعمانی: شعرالعجم، طبع اعظم گڑھ، ۱۹۴۲ء، جلد ۵ ص ۱۸۵-۱۸۶
۵۔ کریمائے سعدیؔ، طبع کانپور، ۱۲۷۵ھ، ص ۵
۶۔ نورالدین عبدالرحمٰن جامیؔ، تحفۃ الاحرار، لاہور، ۱۸۶۹ء، ص ۱۰۷
۷۔ نظامیؔ، مخزنِ اسرار، طبع کانپور، ۱۸۶۹ء، ص ۸۷-۹۱
۸۔ رباعیات باباافضل کاشانی، مرتبہ سعید نفیسی، طبع تہران، ص ۱۳۶
۹۔ کریمائے سعدی، ص ۷
۱۰۔ دیوانِ حافظؔ، اردو ترجمہ قاضی سجّاد حسین، طبع دہلی، ص ۲۱۱
۱۱۔ ایضاً، ص ۲۲۶
۱۲۔ پندنامۂ عطّار مترجم، طبع کانپور، ۱۳۲۳ھ، ص ۴۴
۱۳۔ قطعات ابن یمینؔ، طبع کلکتہ، ۱۸۶۵ء، ص ۱۷۴
۱۴۔ قطعات ابن یمینؔ، ص ۲۰۸
۱۵۔ امیر خسرو، مطلع الانوار، طبع لکھنؤ، ۱۹۳۴ء، ص ۹۲-۹۴
۱۶۔ رباعیاتِ عمر خیام، طبع لکھنؤ، ۱۹۶۹ء، ص ۴۹
۱۷۔ رباعیات باباؔ افضل کاشانی، ص ۹۶
۱۸۔ بوستانِ سعدیؔ (مترجم)، طبع دہلی، ۱۹۶۱ء، ص ۱۹۹
۱۹۔ فریدالدین عطّار، پندنامہ (مترجم)، طبع کانپور، ۱۳۲۳ھ، ص ۹
۲۰۔ شعرالعجم، ۲/ ۶۷
۲۱۔ دیوان حافظ (مترجم)، ص ۳۷۷
۲۲۔ قطعاتِ ابن یمینؔ، ص ۱۹۰
۲۳۔ شعرالعجم، ۳/ ۱۲۸
۲۴۔ ایضاً، ص ۳۴۶
۲۵۔ شعرالعجم، ۱/ ۲۲۴
۲۶۔ دیوان حافظ، ص ۱۲۴
۲۷۔ مطلع الانوار، ص ۱۰۰-۱۱۴
۲۸۔ کریمائے سعدی، ص ۱۱
۲۹۔ ایضاً، ص ۱۳

۳۰۔ مخزنِ اسرار، ص ۱۷۱

۳۱۔ کریمائے سعدی، ص ۴

۳۲۔ ایضاً، ص ۵

۳۳۔ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، تاریخ ادبیات فارسی، طبع تہران، ۱۳۳۲ شمسی ہجری، ۲/ ۹۰۵، براؤن جلد دوم، ص ۱۶۷، تاریخ ادبیات ایران (اردو)، ص ۳۰۸

۳۴۔ سعید نفیسی، تاریخ نظم ونثر در ایران و در زبان فارسی، طبع تہران، ۱/ ۶۵، تاریخ ادبیات ایران (اردو)، ص ۳۰۸

۳۵۔ ہرمان ایتھے، تاریخ ادبیات فارسی، طبع تہران، ص ۲۶۹، ذبیح اللہ صفا، ۲/ ۹۲۳

۳۶۔ تاریخ ادبیات ایران (اردو)، ص ۴۴۵

۳۷۔ سعید نفیسی، ۱/ ۲۴۶

۳۸۔ تاریخ ادبیات ایران (اردو)، ص ۴۴۵

۳۹۔ ہرمان ایتھے، ص ۲۷۱

۴۰۔ سعید نفیسی، ص ۲۴۰

۴۱۔ گلستانِ سعدی (مترجم)، ص ۲۴

۴۲۔ سعید نفیسی، ۱/ ۱۰۸

۴۳۔ ایوانو، فہرست مخطوطات فارسی، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، ۱۹۸۵ء، ص ۶۵۵ - ۶۶۹

۴۴۔ تاریخ ادبیات ایران (اردو)، ص ۴۳۶ - ۴۳۷

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الٰہی صاحب، 27-A، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (0)7280916

Email: Sammaradnan<talluadnan@yahoo.com>